OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.8 Issue 9 June 2021

تفکر وتدبر اور تسخیرِ کائنات—قرآنی آیات کی متنوع تعبیرات

Contemplation & Pondering and Conquest of the Universe – Diversification in Interpretations of Quranic Verses

Kalsoom Razzaq
Assistant Professor, Govt. Degree College for Women
Mustafabad (Dharampura), Lahore.

Abstract: Quran Hakeem has exhorted the mankind to observe, ponder, cerebrate and contemplate over universe again and again. The word 'Conquest' has been used in relation to universe and its supplementals in many verses in Quran Kareem. It becomes very clear from all these verses that Allah Almighty is the conqueror of this universe. However, mankind receives the benefits of this conquest, resultantly he might live his life being grateful to the real provider of these bounties. Quran does not forbid mankind to conquer this universe. Rather, it only declares that Allah Almighty has conquered this universe with the intent to benefit the mankind so that he may live showing gratitude towards Him. But in spite of this, muslim scholars interprets the word of 'conquest' used in Quran as a call to mankind for conquering this universe. In this article the Quranic interpretations of contemplation and pondering over the conquest of the universe will be taken up in detail. Moreover, it will be discussed regarding modern sciences that mankind should endeavor to optimally benefit from the universe employing adaptability and pliability approach in spite of authoritarianism.

Keywords: Quran, Conquest, Ponder, Universe, Mankind

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دانش و بیش کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا، جو تفکر وتدبر سے جلا پاتی ہے اور اس کی حیات وارتقاع بھی اسی میں ہے۔ قرآنِ حکیم نے انسان کو کائنات کے مشاہدے، فکر، تعقل اور تدبر کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ "قرآنی آیات بار بار ہم میں یہ تحریک پیدا کرتی ہیں کہ ہم تخلیق پر غور و فکر کریں، کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ کریں، ستاروں، کہکشاؤں، کوہساروں کو دیکھیں، بارانِ رحمت کو دیکھیں، گرجتے چمکتے بادلوں کو دیکھیں، ہواؤں کا مطالعہ کریں، سمندروں کی کھوج لگائیں اور زمین کو دیکھیں، کیسے بچھائی گئی ہے۔"[1] قرآن کریم میں کائنات اور اس کے مشمولات سے متعلق تسخیر کا لفظ تقریباً 24 آیات میں استعمال ہوا ہے۔[2] ان تمام آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کائنات کا مسخر اللہ تعالیٰ ہے۔ البتہ اس تسخیر کا فائدہ انسان کو پہنچتا ہے تاکہ وہ منعم حقیقی کا شکر گزار بندہ بن کر زندگی گزارے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان دانش وروں کا ایک طبقہ قرآن کے حوالے سے تسخیر کا لفظ اس معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں کہ انسان کائنات کی تسخیر کرے۔ مضمونِ ہذا میں تسخیرِ کائنات پر تفکر وتدبر کے قرآنی مفہوم پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی اور جدید علوم کے حوالے سے یہ بتایا جائے گا کہ انسان کو تصرف کے بجائے موافقت اور مطابقت سے کام لیتے ہوئے کائنات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تسخیر کے لغوی معنی

لغت میں تسخیر کے معنی ہیں: بس میں کرنا، زبردستی کسی خاص کام میں لگا دینا، خدمت لینا: سَخَّرَہ تَسْخِیْراً: كلّفه عملاً بلا أجرة (کسی سے بلا اجرت کوئی کام لینا) سَخَّرَہ سِخْرِیّاً وسُخْرِیّاً: كلّفه ما لا يريد و قهره۔ (کسی سے زبردستی کوئی کام لینا)[3]

اس طرح تسخیر سے مراد کسی کو تابع کرنا، عاجز کرنا، پست کرنا اور بلا اجرت کسی کام پر لگا دینا اور بغیر کسی معاوضہ کے خدمت لینا کے ہیں۔ "یعنی کہ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ ہر اس موقع پر استعمال ہو سکتا ہے جہاں یہ بتانا مقصود ہو کہ کوئی ذات کسی دوسری ذات کو بس میں کیے ہوئے ہے یا اس سے خدمت لے رہی ہے، خواہ خدمت لینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہو یا انسان کی ہو، چنانچہ لغوی استعمال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ بھی مسخِّر ہو سکتا ہے اور انسان بھی، مگر قرآن کریم میں صرف ایک آیت ایسی ہے جس میں انسان کو مسخِّر کی حیثیت دی جاسکتی ہے "**نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي**

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا"(الزخرف، 43: 32) باقی کسی بھی آیت سے انسان کی اس حیثیت کا ثبوت نہیں ملتا۔"[4]

اصطلاحی مفہوم

ابن منظور "*لسان العرب*" **میں لکھتے ہیں**: تسخير ما فى السموات، تسخير الشمس والقمر والنجوم للآدميين وهو الانتفاع بها فى بلوغ منابتهم والاقتداء بها فى مسالكهم وتسخير ما فى الارض تسخير بحارها وانهارا ودوأبها وجميع منافعها[5] یعنی مَا فِي السَّمَاوَاتِ (جو کچھ آسمانوں میں ہے) کی تسخیر سے مراد انسانوں کے لئے سورج، چاند اور ستاروں کو تابع کرنا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے منازل تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے اور راستوں کا پتہ دیتے ہیں۔ مَا فِي الْأَرْض (جو زمین میں ہے) کی تسخیر اس کے سمندروں، نہروں اور جانوروں سے تمام تر فائدہ اٹھانے میں ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ آیتِ قرآنیہ میں تسخیر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " **أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝**"(الحج 22: 65) أَيْ ذَلَّلَ لَكُمْ مَا فِيهَا فَلَا أَصْلَبَ مِنَ الْحَجَرِ وَلَا أَحَدَّ مِنَ الْحَدِيدِ وَلَا أَكْثَرَ هَيْبَةً مِنَ النَّارِ، وَقَدْ سَخَّرَهَا لَكُمْ وَسَخَّرَ الْحَيَوَانَاتِ أَيْضًا حَتَّى يُنْتَفَعَ بِهَا مِنْ حَيْثُ الْأَكْلِ وَالرُّكُوبِ وَالْحَمْلِ عَلَيْهَا تَسْخِيرِهِ الْفُلْكَ هُوَ مِنْ حَيْثُ سَخَّرَ الْمَاءَ وَالرِّيَاحَ لِجَرْيِهَا[6] **یعنی** تمہارے لیے ان میں موجود تمام اشیاء کو پست اور کمزور کر دیا پس پتھر سے زیادہ سخت، لوہے سے زیادہ مضبوط اور آگ سے زیادہ خوفناک کوئی چیز ایسی نہیں جس کو تمہارے لیے مسخر (مطیع) نہ کر دیا گیا ہو اور جانوروں کو بھی تمہارے لیے مسخر کر دیا یہاں تک کہ تم ان سے کھانے پینے، سواری اور بار برداری کے لیے فائدہ اٹھاتے ہو، کشتی کی تسخیر اس حیثیت میں ہے کہ پانی اور ہوا کو اس کے چلانے کے لیے مسخر کر دیا۔

مولانا مودودیؒ تسخیر کا مفہوم "ایک ضابطے کا پابند بنانا" بیان کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ تسخیر کے تصور سے متعلق ایک تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "تمہارے لیے مسخر کیا" کو عام طور پر لوگ غلطی سے "تمہارے تابع کر دیا" کے معنی میں لے لیتے ہیں اور پھر اس مضمون کی آیات سے عجیب عجیب معنی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ حتی کہ بعض لوگ تو

یہاں تک سمجھ بیٹھے کہ ان آیات کی رو سے تسخیر سمٰوٰت وارض انسان کا منتہائے مقصود ہے۔حالانکہ ان چیزوں کے مسخر کرنے کا اس کے سوا کچھ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے قانون کا پابند بنا رکھا ہے جس کی بدولت یہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں۔[7]

آیاتِ تسخیر

قرآن حکیم نوعِ انسانی کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ یہ جہاں تیرے لیے پیدا کیا گیا۔اس جہان میں موجود بے شمار انعاماتِ خداوندی کو تیری خدمت کے لیے ایک ضابطے کا تابع بنا دیا گیا۔آیاتِ تسخیر اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ[8]

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ[9]

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ[10]

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ[11]

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۝[12]

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ[13]

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ[14]

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ[15]

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ[16]

كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[17]

كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ[18]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ[19]

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ[20]

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً[21]

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى[22]

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ[23]

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ[24]

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ[25]

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى[26]

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ[27]

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا[28]

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ[29]

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ[30]

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا[31]

"قرآنی آیات میں تسخیر کا لفظ تین حیثیتوں میں استعمال ہوا ہے۔اسم کی حیثیت سے سُخْرِیًّا، مفعول کی حیثیت سے مُسَخَّرات اور فعل کی حیثیت سے سَخَّرَ سَخَّرْنَا

سُخْرِیًّا میں انسانوں کے ایک دوسرے سے خدمت لینے کا حوالہ ہے۔(الزخرف، 43: 32)

1. مُسَخَّرات کا لفظ ستاروں اور پرندوں کے لیے استعمال ہوا ہے، کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے تابع فرمان ہیں۔ (الاعراف، 7: 54؛ النحل، 16: 12، 79)
2. سَخَّرَ سَخَّرْنَا دونوں الفاظ کا اطلاق اجرامِ فلکی، وقت یعنی دن رات کے لیے زمین، کشتیوں، دریاؤں، سمندروں، ہواؤں، پہاڑوں اور شیطانوں کے لیے ہوا ہے۔اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم

میں تسخیر کا تناظر کافی وسیع ہے اور پوری فطرت کو جامع ہے"۔[32]

اس طرح قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کائنات کی مختلف اشیاء کو انسان کی خدمت میں مامور کیے جانے کا ذکر ہے۔ان میں کچھ مقامات ایسے ہیں جن میں پوری بنی نوع انسان کے لیے تسخیرِ کائنات کا تذکرہ ہے۔ جبکہ کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں خصوصی تسخیر کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑ اور حضرت سلیمانؑ کے لیے ہوا کو تابع بنانے کی خوشخبری اور قومِ عاد پر آندھی کے مسلط کرنے کا بتایا گیا ہے۔

تسخیر کے مقاصدِ الٰہیہ

تسخیر سے متعلق قرآنی آیات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تسخیر کے درج ذیل مقاصد ہیں۔

1. تدبیرِ امر

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بنا کر چھوڑ نہیں دیا، بلکہ وہ برابر اس میں عمل دخل جاری کیے ہوئے اور متواتر تدبیرِ امر کر رہا ہے۔قرآن کریم میں زمین وآسمان کی تخلیق کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کے عرش پر جلوہ افروز ہونے کا ذکر اسی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا محض خالق ہی نہیں، بلکہ مدبر اور فرماں روا بھی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی اور تدبیر امر سے متعلق بے شمار آیات ہیں۔ چنانچہ تدبیرِ امر سے متعلق ایک آیتِ تسخیر درج ذیل ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۝[33]

یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ وہ دن کو رات کی چادر اُوڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اس کو آدبوچتی ہے۔اور اس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے ہیں جو سب اس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو پیدا کرنا اور حکم دینا سب اسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ محض خالقِ کائنات ہی نہیں بلکہ مدبرِ کائنات بھی ہے وہ دنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر کہیں بیٹھ نہیں گیا بلکہ عملاً وہی سارے جہاں کے جزو کل پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ سلطانی و حکمرانی کے تمام اختیارات بالفعل اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر چیز اس کے امر کی تابع ہے، ذرہ ذرہ اسی کے فرمان کا مطیع ہے۔[34]

مذکورہ بالا آیت میں ایک طرف تسخیر اور تدبیرِ امر کے درمیان ربط معلوم ہوتا ہے اور دوسرے طرف یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح چاند، سورج اور ستاروں کا خالق صرف اللہ ہے، اسی طرح ان کو مسخر کرنے اور انہیں حکم دینے والا بھی وہی ہے۔

2. تعلیم وتذکیر

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کائنات کو بنا کر ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا، اسی طرح انسان کو بنا کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس نے انسان کو شعور عطا کیا ہے تو اس کی غذا بھی اتاری ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو کائنات کو مسخر کیا، تاکہ انسان اس کا مربوط مطالعہ کر سکے اور دوسری طرف پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا، تاکہ اس کی تعلیم، تہذیب اور تادیب ہو سکے۔ پیغمبر جب انسان کو اللہ کے ایک ہونے کی خبر دے اور اس کی صفات بیان کرے تو خود اس کائنات میں انسان کو ایک اللہ کے تصرف اور تدبیر کا اشارہ ملے۔

> أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۝[35]
>
> کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضا میں اللہ کے حکم کے پابند ہیں؟ انہیں اللہ کے سوا کوئی اور تھامے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی قدرت کی ایک اور نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ تم بلندی کی طرف کوئی چیز کتنے ہی زور سے پھینکو، وہ تھوڑی دیر اور اوپر جا کر نیچے گر پڑے گی۔ کیونکہ ہر ثقل چیز مرکز زمین کی طرف لوٹتی ہے لیکن فضائے آسمانی میں محوِ پرواز پرندوں کو دیکھا یہ نیچے کیوں نہیں گر پڑتے۔ زمین کی کششِ ثقل ان کو اپنی طرف کیوں نہیں کھینچ لاتی۔ وہ کون ہے جس نے پرندوں کو ایسے بازو، ایسے پر اور ایسے دُم بخشے ہیں کہ وہ ہوائی وسعتوں میں گھنٹوں پر کشارہتے

ہیں۔ کیونکہ پرندوں کے جسم کی مخصوص ساخت، ان کے بازو اور پَر سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اس لیے ان کو ہوا میں معلق رکھنے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی۔[36]

تسخیر اس قدر اہم عمل ہے کہ قرآن کی درج ذیل آیت میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ تسخیر کی وجہ سے انسان کو یہ یقین قائم کرنے میں مدد ملتی ہے کہ کسی وقت اللہ سے ملنا ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ۝[37]"اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔ ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے، وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جاملنا ہے۔"

آفتاب و ماہتاب اور لیل و نہار کی تسخیر کے بعد ان آیات میں جس چیز کی دعوتِ تفکر و تدبر ہے وہ ان کا یکے بعد دیگرے آنا اور ایک دوسرے میں داخل ہونا ہے اور ایک مخصوص نظام کے تحت گردش پر کاربند رہنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ[38]

اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے۔ ہر ایک ایک وقتِ مقررہ میعاد تک رواں دواں ہے۔

یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے۔

3. منفعت

قرآن کی آیاتِ تسخیر کا ایک بہت ہی ابھرا ہوا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کو انسان کے فائدے کے لیے مسخر کر رکھا ہے، آیاتِ تسخیر میں سے گیارہ آیات ایسی ہیں جن میں لہ، لکم، لنا کا صلہ استعمال کر کے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ تسخیر کے فائدے انسان کو پہنچتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:"وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝"[39]اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے نادر کرشموں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ مناسب اور موزوں مواقع پر لَكُمُ الْفُلْكَ اور لَكُمُ الْأَنْهَارَ میں لَکُمْ کا تکرار کتنا معنی خیز ہے۔ گویا بتایا جارہا ہے کہ تم ہی مقصودِ کائنات ہو باقی سب کچھ تمہاری بقا اور نشو و نما کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تخلیق ہوا۔ یہ آسمان اور زمین، چاند اور

ستارے، دریا اور سمندر اور گردشِ لیل ونہار سب تمہارے خدمت گزار ہیں۔اس لیے اپنے خالق ومالک کے لیے اس کی بارگاہِ صمدیت میں سربسجود ہونا تجھے زیب دیتا ہے۔اب تیری احسان شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ تو اُسی کا ہو رہے۔[40] **مفتی شفیعؒ** "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے کام پر لگادیا کہ وہ اللہ کے حکم سے دریاؤں میں چلتے پھرتے ہیں۔لفظ **سَخَّرَ لَكُمُ** سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا استعمال تمہارے لیے آسان کر دیا ہے۔لکڑی، لوہا اور ان سے کشتی جہاز بنانے کے اوزار وآلات اور ان سے صحیح کام لینے کی عقل ودانش یہ سب چیزیں اسی کی دی ہوئی ہیں۔اس لیے ان چیزوں کے موجد اس پر ناز نہ کریں کہ یہ ہم نے ایجاد کی یا بنائی ہیں کیونکہ جن چیزوں سے ان میں کام لیا گیا ہے ان میں کوئی چیز بھی نہ تم نے پیدا کی ہے نہ کر سکتے ہو خالقِ کائنات کی بنائی ہوئی لکڑی، لوہے، تانبے اور پیتل ہی میں تصرفات کر کے یہ ایجاد کا سہرا آپ نے اپنے سر لیا ہے ورنہ حقیقت دیکھو تو خود آپ کا اپنا وجود اپنے ہاتھ پاؤں، اپنا دماغ اور عقل بھی تو آپ کی بنائی ہوئی نہیں۔[41]

بعض آیات میں جذبۂ شکر ابھارنے پر زور دیا گیا ہے، مثلاً ارشادِ ربانی ہے۔"**كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ**۝"[42] "انسان جانوروں سے نہ صرف سواری کا کام لیتا ہے بلکہ بوقتِ ضرورت انہیں ذبح بھی کر ڈالتا ہے۔مگر وہ اس کے سامنے چون وچرا کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے جانوروں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا تاکہ انسان شکر گزار بنے"۔[43]

تسخیر کے مقاصد میں انسان کو مادی اور روحانی منفعت پہنچانا شامل ہے۔مادی منفعت تو ظاہر ہے **سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ**۝[44] (پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں دیا ورنہ ہم میں سے یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لا سکتے)

ارشادِ ربانی "**أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً**"[45] میں روحانی منفعت کی طرف اشارہ ہے۔" ظاہری نعمت صورتِ ظاہرہ کی درستی کا سبب ہے اور باطنی نعمت، سیرت کی درستی کا سبب ہے۔ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں کہ جو حواسِ ظاہری سے محسوس اور مدرک ہیں جیسے کھانا، پینا، پہننا اور باطنی نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں کہ جو عقل سے دریافت ہوں جیسے ایمان اور علمِ دین۔اس طرح

ظاہری اور باطنی اور آسمان وزمین کی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔اور باوجود اس کے بعض آدمی ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی شانِ توحید میں بغیر علم اور بغیر ہدایت کے جھگڑتے ہیں"۔[46]

4. تعزیر

قرآن کریم میں ایک مقام پر تسخیر کے ساتھ علی کا صلہ استعمال کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قومِ عاد پر ہواؤں کو سات راتوں اور آٹھ دن تک مسخر رکھا گیا، جس کے نتیجے میں وہ قوم اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ و برباد ہو گئی۔ارشادِ ربانی ہے"سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا"[47]

"ہوا"جو اللہ نے انسان کی خدمت کے لیے مسخر کی ہے اسی کو اس نے عاد کے اوپر عذاب بنا کر مسلط کر دیا۔یہ ہوا عذاب بنا دینے کی تصویر ہے اور وہ سات راتیں اور آٹھ دن ان کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دینے کے لیے ان پر چلتی رہی۔[48]اور ان کی ایسی بیخ کنی ہوئی کہ ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تسخیر کے مقاصد میں سے ایک مقصد تعزیر بھی ہے۔قرآن کریم میں اقوامِ عالم کی تاریخی مثالیں ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرکش اقوام کو انہی چیزوں کے ذریعہ تباہ و برباد بھی کرتا رہا ہے جو اُن کے لیے عام حالات میں زندگی کی بقا اور تمدن کے فروغ کا سبب ہوتی ہیں۔سدومیوں پر پتھروں کی بارش (الاعراف، 7: 80-84)، ثمود پر زبردست زلزلہ (الاعراف، 7: 73-79)، فرعون کا سمندر میں غرق ہونا (الاعراف، 7: 133-136، الشعراء، 26: 52-68) اور ابرہہ پر پرندوں کے ذریعہ کنکریوں کی بارش (الفیل، 105: 1-5) یہ سب تسخیر کے تعزیری استعمالات ہیں۔خواہ ان واقعات کے تذکرے میں تسخیر کا لفظ قرآن میں استعمال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

تسخیرِ کائنات– تفکر وتدبر کا دینی منہج

تسخیرِ کائنات کی معنویت میں علمائے امت دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ایک طبقہ وہ ہے جو تسخیرِ کائنات انسانی فعل ان معنوں میں تصور کرتا ہے گویا اللہ کی طرف سے انسان کو تسخیرِ کائنات کا حکم دے کر ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور اس کی طاقت ہے کہ وہ تسخیرِ کائنات کرے۔جبکہ علمائے امت کا دوسرا طبقہ تسخیرِ کائنات کا موجود و فاعل اللہ کی ذات کو مانتا ہے اور انسان کو اس تسخیر سے فائدہ اٹھانے والا مانتا ہے۔اس کے نزدیک گو تسخیر تو اللہ کر چکا البتہ اس سے منفعت کی تدبیر انسان کے

ذمے ہے۔ آئندہ سطور میں ہم ان دونوں گروہوں کی آراء کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے ایک ترجیحی رائے متعین کرنے کی کوشش کریں گے۔

سلطان بشیر محمود "**قرآن پاک ایک چیلنج—ایک سائنسی معجزہ**" میں لکھتے ہیں سائنس کا انسان مادہ کا غلام ہے، جبکہ قرآن کا انسان کائنات کا حکمران ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: "**وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ**"[49] (اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔)

قرآن پاک کا انسان کائنات میں ایک مکرم ہستی ہے۔ فرمایا: "**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ**"[50] (اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔) یہ آیت مبارکہ انسان کے لئے خداوندِ کائنات کی طرف سے گویا (Letter of Authority) ہے کہ "قرآن کا انسان نہ صرف مکرم ہے بلکہ کائنات اس کے سامنے سرنگوں کر دی گئی ہے"۔ اس عظیم اصول کہ "کائنات کا مرکز انسان ہے" کے مطابق تمام کی تمام کائنات کو انسان کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ انسان کی لامحدود صلاحیتوں والے اس قانون کی تشریح قرآن پاک میں حضرت آدمؑ کے ظہور کے متعلق قرآنی آیات میں اچھی طرح کر دی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت "**وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ**۝"[51] سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کا علم بخشا اور فرشتوں پر اپنی اس نئی تخلیق کی برتری ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بطور امتحان آگے رکھ دیا دونوں سے ان کے خواص کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت آدمؑ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے مطابق ہر چیز کے متعلق صحیح صحیح جواب دیا جبکہ فرشتوں نے اپنی کم فہمی کا کھلے بندوں اعتراف کر لیا۔ اس امتحانی کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مسجودِ ملائک ہونے کا عظیم شرف عطا فرمایا۔

علم حاصل کرنے کی وہ صلاحیت آج بھی اولادِ آدمؑ کے جین (Gene) میں چلی آتی ہے۔[52]

علامہ عنایت المشرقی کے نزدیک صحیفہ فطرت یعنی کائنات ہی واحد حقیقت ہے۔ کائنات کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کے صحیح مذہب اور لائحہ عمل کے لئے مختلف احکام اور اشارے رکھے گئے ہیں اور انسان کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ اس کائنات کو مسخر کر کے اس سے اپنے لئے لائحہ عمل تلاش کرے اور اس کی سعی کے عوض یہ کائنات

انسان کو بطور انعام دی جائے۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۝"(الجاثیة،13:45)[53]

شہاب الدین ندوی تسخیر کائنات کو انسانی فعل سمجھتے ہیں اور اسے حکمِ الٰہی قرار دیتے ہیں۔ آیت مبارکہ "أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً" (لقمان،20:31)کا مفہوم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشاتِ الٰہیہ ہیں، جو آفرینشِ آدم سے لے کر عصرِ حاضر تک برابر معلوم ومتعارف چلی آرہی ہیں۔ یعنی وہ لوازمِ حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے۔ جبکہ باطنی نعمتوں کا ظہور کس طرح ہوتا ہے؟ لہٰذا انسان علمِ اسماء کے "منتر" اور "دستِ تسخیر" کی قوت سے باطنی نعمتوں کو منظرِ عام پر لائے۔[54]

دوسری جانب علمائے امت کا وہ طبقہ ہے جو تسخیرِ کائنات کا موجود وفاعل اللہ کو مانتا ہے اور انسان اس تسخیر سے فائدہ اٹھانے والا ہے۔ **منیر نیازی** لکھتے ہیں کہ: انسان کسی چیز کو نہ پیدا کر سکتا ہے نہ ایجاد کر سکتا ہے صرف اتنا ہوتا ہے کہ پردہ راز سے کسی بات کا نقاب اٹھ جاتا ہے اور ایک زندہ جاوید حقیقت سامنے آجاتی ہے جو ہمیشہ سے موجود تھی لیکن تمہیں علم نہ تھا جن ذرائع سے آج بجلی پیدا کی جاتی ہے خواہ جنریٹروں یا ری ایکٹر یا شمسی آلات ہوں یہ ذرائع ابتدائے افرینش سے ہی چلے آرہے ہیں، لیکن ہم جانتے نہ تھے۔ آج ایٹم یا جوہر کا مشاہدہ کرنے والے کو کہتے ہیں کہ سبحان اللہ یہ ذرہ تو بذاتِ خود ایک عجب دنیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ انوکھی اور نرالی دنیا ہمیشہ سے یوں ہی تھی صرف ہم اسے دیکھ نہ پائے تھے۔[55]

مفتی شفیع ؒ لکھتے ہیں: "چیزوں کے موجد اس پر ناز نہ کریں کہ یہ ہم نے ایجاد کی یا بنائی ہے خالقِ کائنات کی بنائی ہوئی لکڑی، لوہے، تانبے اور پیتل ہی میں تصرفات کرکے یہ ایجاد کا سہرا آپ نے اپنے سر لیا ہے۔"[56]

قاری محمد طیب ؒ"ایک قرآن" میں رقمطراز ہیں کہ وہ آیات وروایات جس میں کائنات کی مصنوعات یا تخلیق کے عجائبات اور آسمان وزمین وغیرہ کی گوناگوں پیداوار عناصر وموالید اور ثوابت وسیارات وغیرہ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے سو وہ فنِ سائنس سکھلانے اور اس میں موشگافیاں کرکے صنعت وحرفت کا کاروبار جاری کرنے کے لیے نہیں اتاری گئیں۔ بلکہ صنائع الٰہی میں دعوتِ نظر وفکر دے کر معرفت خلاق کا سراغ لگا لینے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔ یعنی یہ کائناتی قرآن (آسمان وزمین میں برق وبخار آب وہوا عناصر وموالید اور ان کے افعال وخواص وغیرہ) علمی قرآن کا وہ مطلوبہ عمل نہیں جس کا

بندوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن پڑھ کر اس کائناتی صنعت و حرفت کا کاروبار پھیلائیں۔ کیونکہ یہ تو قرآن اتارنے والے کا عمل ہے جس کی ان آیتوں نے خبر دی ہے۔ان میں یہ مطالبہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان حکایتوں کے محکی عنہ کے مماثل کوئی صنعت بنائیں گویا بندے بھی خدا کی طرح ایک زمین و آسمان تیار کریں یا چاند، سورج بنالائیں بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ خدا کی ان محیر العقول عجائبات میں سلامتی فکر کے ساتھ تدبر کر کے بنانے والے کی طرف نیاز مندانہ اور معترفانہ رجوع کریں،اسے پہچانیں اور یقین کریں کہ یہ مصنوعات وہی بنا سکتا ہے جس کی قدرت لامحدود ہے۔نہ وہ انسان جس کی اس فوق العادت صناعی سے اس کی خدائی کے قائل اور معترف بنیں۔اور اس کے محسنانہ حقوق پہچان کر ان کی ادائیگی کی فکر کریں۔ بس یہ کائنات آیاتِ قرآنی کے مطلوبہ عمل کی عمل گاہ نہیں بلکہ عارف مزاجی انسانوں کے لیے ایک فکر گاہ ہے جس میں غور وتدبر کرنے سے قرآن کے نظریات حل ہوتے ہیں اور قرآنی دعاوی کے لیے ایسے تمثیلی اور برہانی دلائل ہاتھ لگتے ہیں جن سے قرآنی مقاصد بآسانی ذہن میں اتر جائیں۔ [57]

قرآنی آیاتِ تسخیر پر تفکر وتدبر کے نتیجے میں واضح ہوتا ہے کہ انسان اپنی کوشش سے تسخیر کا فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔بلکہ اللہ نے کچھ اشیاء کو مسخر ہی اس طرح کر رکھا ہے۔انسان کوشش کر کے ان اشیاء سے فائدہ اٹھا سکے۔اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ان آیات میں سمندر، کشتی اور جانوروں کا ذکر ہے۔ مثلاً

> **وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا** [58]
>
> وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو کام پر لگایا تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو۔
>
> **اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۝** [59]
>
> اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے نادر کرشموں میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ سمندروں سے انسان کئی طرح کے فوائد حاصل کرتا ہے ان سے موتی اور جواہرات نکالتا ہے۔ آبی جانوروں کا شکار کر کے گوشت حاصل کرتا ہے۔ تجارتی سفر کر کے روزی کماتا ہے۔ اور خشکی کے ایک حصے سے منتقل ہو کر زمین کے کسی دوسرے حصہ جا آباد ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوا کہ اللہ نے سمندروں جیسی خوفناک چیز کو بھی انسان کے بس میں کر دیا۔ یہ اللہ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے تمام اشیاء کے لیے مخصوص قوانین بنادیئے ہیں جن کی وہ بہر حال پابند رہتی ہیں۔ اس طرح انسان ان سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔[60]

مفسرین نے بھی بالعموم آیاتِ تسخیر کا مفہوم یہی لیا ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو انسان کے فائدے کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے تسخیر کے پہلو سے اشیائے عالم کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ اشیاء جن سے انسان جس طرح چاہتا ہے فائدہ اٹھاتا ہے دوسرے وہ اشیاء جن سے انسان فائدہ تو اٹھاتا ہے، مگر اپنی مرضی کے مطابق ان کو ڈھال نہیں سکتا اور نہ چلا سکتا ہے۔ مولانا شبیر عثمانی سورۃ ابراهیم کی آیات اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۝[61] کے حواشی میں رقمطراز ہیں:

"یعنی سمندر کے خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہو اور کس قدر تجارتی یا غیر تجارتی فوائد حاصل کرتے ہو۔ یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سی ڈونگی کو ہم جدھر چاہتے ہیں، لیے پھرتے ہیں.... ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا گو کشتی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں۔ تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگی ہوئی ہوئی ہیں۔ اسی طرح چاند سورج، جو ایک متعین نظام اور ضابطے کے موافق برابر چل رہے ہیں، کبھی تھکتے نہیں، نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے، یا رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ٹھہری عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں گو اس معنی سے تمہارے قبضہ میں نہیں کہ تم جب چاہو اور جدھر چاہو ان کی قدرتی حرکت وتاثیر کو پھیر دو، تاہم بہت سے تصرفات وتدابیر سے قطعِ نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی نہ کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ تم سوتے ہو، وہ تمہارا کام کرتے ہیں، تم چین سے بیٹھتے ہو، وہ تمہارے لیے سر گرداں ہیں۔"[62]

ان آیاتِ کائنات کا ماحصل اور تقاضا صرف فکر وتدبر اور مصنوع پر استدلال کرنا اور خالق کی معرفت حاصل کرنا ہے۔اس سلسلے میں **قاری طیب** لکھتے ہیں: "پس ان تکوینی آیات سے در حقیقت نظر وفکر اور استدلال کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے تاکہ آدمی مخلوق سے خالق کی طرف اور مصنوعات سے صانع عالم کی طرف متوجہ ہو اور ساری کائنات کو آئینۂ جمالِ حق بنا کر اس کے ذریعے سے حق اور کمالاتِ حق کا مشاہدہ کرے۔اس کی عظمت اپنے دل میں بٹھلائے اور اس معرفت کو جوہر نفس اور صفت قلب وروح کر کے جب آخرت میں پہنچے تو حقائق اس کے سامنے عیاں ہوں اور حقیقت الحقائق کا عینی مشاہدہ اُسے میسر آجائے۔"[63]

سَخَّرَ بِأَمْرِهِ(الاعراف، 7: 54؛ابراھیم، 14: 32، 33؛النحل، 16: 12؛ الحج، 22: 65؛الجاثیة، 45: 12)میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ کائنات صرف اللہ کے امر کی تابع ہے، کسی اور کے حکم کی تابع نہیں۔سورج، چاند اور ستاروں کی تسخیر کا ذکر کرنے کے بعد **كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى**(الرعد، 13: 2؛فاطر، 35: 13؛الزمر، 39: 5) **أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ** (الاعراف، 7: 54) کہنا اور پرندوں کی تسخیر کے تذکرے کے فوراً بعد **مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ**(النحل، 16: 79)پر زور دینا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور مظاہر فطرت کا مسخر نہیں ہے۔

تسخیر بمعنی خلافتِ انسانی— تجزیہ و تحلیل

دورِ جدید کے وہ مسلمان سائنسدان جو دینی مزاج رکھتے ہیں، قرآن اور سائنس یا اسلام اور سائنس کے موضوع پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا احساس رکھتے ہیں، اکثر اس زبوں حالی کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ جانے سے متعلق خیال کرتے ہیں۔ان میں وہ لوگ جو سائنس و ٹیکنالوجی کی اصلاح کے طلب گار نہیں ہیں، صاف کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہم کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہم اشیائے کائنات کو مسخر کریں، جس کے لیے سائنس کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو تسخیرِ کائنات کا خواب بھی دیکھتے ہیں اور سائنس کو قرآن اور سنت کے مطابق ڈھالنے کے بھی قائل ہیں۔اس دوسرے گروہ میں کچھ علمائے دین شامل ہیں۔اس دوسرے گروہ میں سائنس دانوں اور عالمِ دین کے خیالات کا تجزیہ کیا جارہا ہے جس سے واضح ہو گا کہ "اللہ مسخرِ کائنات" سے "انسان مسخرِ موجودات" کی طرف کس طرح پیش قدمی کی جاتی ہے۔

مہدی گلشنی ایک معروف ایرانی ماہرِ طبیعات ہیں۔ قرآن اور سائنس، اسلام اور سائنس پر انہوں نے بیش قیمت مضامین و کتب کا اضافہ کیا ہے۔ وہ آیاتِ تسخیر کو تصورِ خلافت کے ساتھ جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں: "اللہ نے انسان کو زمین پر خلیفہ اور نائب بنایا ہے اور اس کو بے شمار مواقع عطا کیے ہیں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچانے اور مواقع سے فائدہ اٹھائے۔ اللہ کے خلیفہ اور اس کی حکمت و قوت کی علامت کے بطور مناسب قوت و حکمت حاصل کرتے۔[64]

عبد القادر نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ خیال پیش کیا ہے: "قرآن چاہتا ہے کہ مسلمان انسانیت کی بھلائی کے لیے فطرت کی قوتوں کو زیر کریں۔"[65] مزید یہ کہ سورۃ لقمان کی آیت 20 کا ترجمہ یوں کیا ہے: "جو کچھ زمین و آسمان میں ہے انسان کے قبضۂ قدرت میں دے دیا گیا ہے۔ All that is in heaven and earth has been subjected to man. اس ترجمے سے اس خیال کو تقویت پہنچائی ہے "Knowledge is power in the sense that it is through knowledge that one dominate nature and make it subservient to one's will." کہ "علم قوت ہے، اس معنی میں کہ علم کے ذریعہ کوئی بھی شخص نیچر پر حاوی ہو سکتا ہے اور اس کو اپنی خواہش کا غلام بنا سکتا ہے۔"[66]

مولانا محمد شہاب الدین ندویؒ نے بھی اسلام اور سائنس کے موضوع پر ضخیم مواد فراہم کیا ہے۔ انہوں نے بھی آیتِ تسخیر کو آیاتِ استخلاف سے جوڑتے ہوئے جدید علوم کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور ٹیکنالوجی کو "علمِ تسخیر" کا نام دیا ہے۔ وہ سورۃ ابراھیم آیات 32 تا 34 اور سورۃ جاثیۃ آیت 13 کے حوالے سے کہتے ہیں:

"ان تمام آیات میں غور کیجیے۔ ان آیات کا منشا کیا ہے اور یہ حکم کس کو دیا جا رہا ہے؟ تسخیرِ اشیاء کس چیز کا نام ہے؟ باطنی نعمتیں کس طرح وجود میں آتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ حکم "خلیفۃ الارض" کو دیا جا رہا ہے کہ وہ علم اسماء کے "منتر" اور دستِ تسخیر" کی قوت سے "باطنی نعمتوں" کو منظرِ عام پر لائے۔"[67]

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے نزدیک نزول قرآن کا اہم مقصد ہی کائنات فطرۃ کا مطالعہ ہے۔ کائنات سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ جو آج کی مغربی اقوام نے پیش کی ہے یعنی مادیات کی ترکیب و تحلیل اور تجزیہ و تالیف کے ذریعہ ایجادات اور تمدنی ترقیات وغیرہ۔ چنانچہ لکھتے ہیں "آج مغرب لوہے، تانبے، بارود، اور دیگر خزائن ارضی سے فائدہ اٹھا کر

فلکِ علم و ہنر پر آفتاب بنے ہوئے ہیں۔ ہواؤں میں اُڑ رہے، اور دریاؤں میں تیر رہے ہیں۔ عمل تبخیر سے ریلیں دوڑا رہے ہیں۔ آنے والے حوادث سماویہ (بادو باراں) کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ صحیفۂ کائنات کے مطالعہ کرنے کے بعد اس کے قوانین و آیات کو اپنی بہتری کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔"[68]

خلافت الٰہی کے لفظ کو ہاتھ میں لے کر تجارتی، صنعتی اور تمدنی ترقی اس کے مفہوم میں شامل کی گئی ہے بلکہ انتہاً اسی کو اس کا صحیح مفہوم قرار دے دیا گیا۔ اگر یہ تمدنی ایجادات اور مادہ کو توڑ پھوڑ کر مختلف اشیاء بنانا یا عناصرِ کائنات کو مسخر کرنا یا ہواؤں میں اڑنا اور ایجاد و اختراع سے مادی دنیا کو قابو میں لے آنا خلافتِ الٰہی نہیں تو پھر خلافت کے معنی کیا ہیں؟ **قاری محمد طیب** "ایک قرآن" میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں: کہ قرآن حکیم کا مقصد وحید انسان کو اس کی حدِ کمال پر پہنچا کر اس کی انسانیت کی تشکیل کرنا ہے اور جبکہ کمال کا حقیقی سرچشمہ ذاتِ خداوندی کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ جس کے اوصاف و افعال سے اسی کے فرمان کے مطابق مشابہت پیدا کر کے ان کمالات کو بقدرِ استعداد و قابلیت جوہر نفس بنا لینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے اور اس تشبہ یا استکمال ہی سے خدا کی نیابت و خلافت کا استحقاق خصوصی طور پر انسان کے لیے ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے تکمیلِ انسانیت کا دوسرا نام تکمیلِ خلافت نکل آتا ہے اور قرآن حکیم کا حقیقی مقصد انسان کو خلیفۂ ربانی کر دکھانا ٹھہر جاتا ہے۔ کوئی بھی سنجیدہ عقل تسلیم نہیں کر سکتی کہ جس خلافتِ الٰہی کے برپا کرنے کے لیے ہزارہا انبیاء مبعوث ہوئے۔ لاکھوں حواری اور صحابۂ انبیاء برپا کیے گئے اور کروڑوں نائبانِ انبیاء اور صلحاء ظاہر ہوئے اس خلافت کے معنٰی لوہے، پیتل، لکڑی اور پتھر وغیرہ کے مختلف معاشی سامان ڈھالنے اور ان سامانوں سے اسبابِ عیش و نشاط یا اسبابِ تباہی و ہلاک افراط کے ساتھ مہیا کر کے دنیا میں فساد مچانے کے ہیں۔ اگر یہی خلافتِ الٰہی تھی تو ایک طرف تو معاذ اللہ فرعونِ مصر، کسرا کے فارس، قیصرِ روم، خاقانِ چین، راجائے ہند نیز دوسرے اور بڑے بڑے عیش پسند یا جنگ جو سرمایہ دار بلکہ تمام دشمنانِ انبیاء جیسے قارون اور ہامان، نمرود اور شداد، ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سب سے بڑھے خلفائے الٰہی ثابت ہوتے ہیں۔ اور یا پھر بڑے بڑے صناع لوہار، بڑھئی، صراف اور سنار وغیرہ خلفائے الٰہی ثابت ہوں گے۔ اس خلافت کے لیے نہ نبوت کی ضرورت رہتی ہے نہ قرآن کی۔ بلکہ اس خلافت کے حق میں نبوت حارج نکلتی ہے۔ اس لیے کوئی نبی بھی اس برتی اصول پر خلیفۂ الٰہی باقی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ کوئی بھی ایسا شخص جو ان مادیات کے عشق سے کٹ کر یادِ خداوندی میں راسخ القدم ہو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہو یا آخرت کے راستہ سے دنیا پر قابو پانے کا جذبہ و عمل رکھتا ہو، خلافت کی فہرست میں شامل نہیں رہ سکتا۔ پس کہاں خلافت

کے معنی تکمیلِ انسانیت کے تھے اور کہاں اب تخریب، انسانیت کے نکلے۔ یہ سب اسی بدذوقی اور زیغ کا نتیجہ ہے۔ جو تزکیہ سے الگ رہ کر محض الفاظ قرآن سے اس کے معنی ناہموار نفس سے اختراع کر لیے گئے۔ انہی کو مرادِ ربانی سمجھ لیا گیا اور دین کو نقلی رکھنے کے بجائے اختراعی قرار دے لیا گیا تاکہ اس کی تعبیرات کو باقی رکھ کر از راہِ تلبیس اس کے معانی میں من مانے تصرفات کے راستے کھلے رہیں۔[69]

حاصل یہ ہے کہ اسلام صنعت گری کی قوت پیدا کرنے اور اسے ظہور میں لانے کا مخالف نہیں بلکہ داعی ہے۔ مگر اپنے ہی راستہ سے وہ چاہتا ہے کہ یہ خلیفۂ الٰہی حقائقِ کائنات پر مطلع ہو اور ان کا گہرا مطالعہ بھی کرے، مگر خارجی وسائل کا محتاج ہو کر نہیں۔ پس خارجی وسائل کی محتاجگی سے مادہ کی توڑ پھوڑ خلافت نہیں بلکہ خلافت کی ظلماتی پرچھائیں ہے جو ہمیشہ اصل کے خلاف چلتی ہے۔[70]

تسخیرِ کائنات—کائنات پر ارادۂ انسانی کا تسلط

جدید سائنس کا مقصد اور تسخیرِ کائنات کا جدید نظریہ و فلسفہ یہی ہے کہ کائنات پر ارادۂ انسانی کو مسلط کیا جائے۔ **Marx** کے الفاظ میں

> The philosophers only interpreted the world, in various ways; the point is to change it.[71]

مغرب کے نہایت اہم مفکرین Carolyn Merchant، E. F. Schumacher، اور Theodor Adorno، وغیرہ نے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں اس بات کو بیان کر دیا ہے کہ سترھویں صدی کے سائنسی انقلاب نے سائنس کے اہداف و مقاصد کو فہم و فطرت کے حصول اور روشنی سے ہٹا کر اپنے مقاصد کے استحصال کی حد تک استعمال پر مرکوز کر دیا ہے۔

> 17th century scientific revolution shifted science from a focus on understanding nature, or wisdom, to a focus on manipulating nature i.e power and the science's emphasis on manipulating nature leads it inevitably to manipulate people as well.[72]

یہ خیال کہ فطرت کا علم حاصل کرنے کے لیے اس کو قبضے میں کرنا، قابو میں لانا اور شکنجے میں کسنا ضروری ہے، دراصل یورپی نشاۃِ ثانیہ کا ثمرہ ہے۔ اس دور میں اس تصور نے زور پکڑا کہ فطرت کا مطالعہ محض مطالعے کی خاطر نہیں، بلکہ اس پر پوری طرح قابو پانے کے لیے کرنا چاہیے تاکہ اس کو انسان کی مادی فلاح کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

.بیکن کی پیش کردہ علمی منہاج ہی حقیقت کو جاننے کا واحد ذریعہ قرار پائی، جس کے مطابق سچائی کا پتا صرف تجربہ اور مشاہدہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ حادث فطرت Natura Naturans اور جوہر Natura Naturata کے درمیان فرق ختم ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ لوگ جوہر کو بھولنے لگے اور صرف نیچر باقی رہ گئی۔[73]

"Francis Bacon نے اپنی کتاب The New Atlantis میں ایسے فرضی جزیرے کی تصویر کشی کی ہے جہاں سائنسی تحقیقات کرنے والا ایک بہت بڑا ادارہ قائم کر دیا گیا ہے جس کا مقصد "علل و معلول Cause) (and effect و حرکتِ کائنات کے قوانین اور انسانی ارادے کی حدود کی توسیع کرنے کے طریقے کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ ہر چیز کرنا ممکن ہو سکے۔"[74] اس تصورِ علم میں فطرت ان معنوں میں انسان کی حریف ٹھہری کہ یہ انسانی ارادے کی تکمیل پر حد بندی کرتی ہے اور اسے تسخیر کر کے انسانی ارادے و خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا ضروری ٹھہرا۔ آج بھی موجودہ سائنسی علمیت کا یہ جنون ہے کہ انسانی عقل کو استعمال کر کے فطرت کے تمام رازوں سے پردہ اٹھانا نیز انسانی اردادے کو خود اسی کے اپنے سوا ہر بالاتر قوت سے آزاد کرنا عین ممکن ہے۔

سرسید کے دور میں بھی فطرت کا نیچری تصور ہی تھا۔ سرسید نے فطرت کو ایک اٹل اور محکم حقیقت بلکہ سچائی کا معیار قرار دے دیا۔ فرمایا: "جب ہمارے پاس نیچر سچائی کا معیار ہے تو ہم نیچری ہونا کیوں نہ گوارا کریں۔"[75]

محمد ظفر اقبال "اسلام اور جدید سائنس" "نئے تناظر میں لکھتے ہیں" جدید انسان نے فاسفورس بم ایجاد کیا ہے جس کی آگ پانی سے بھی نہیں بجھتی۔ اس انسان نے حیاتیاتی جرثوموں پر مبنی ہتھیاروں، جوہری بموں، اور بے شمار قسم کے اسلحہ کے ذخائر اتنی بڑی تعداد میں جمع کیے ہیں کہ ان ذخائر سے موجودہ دنیا کو سینکڑوں مرتبہ تباہ و برباد کیا جا سکتا ہے۔ یہ Modern Man اتنا وحشی درندہ، اور خونخوار کیوں ہے؟ اسے کس قوت سے خوف اور خطرہ ہے کہ اس نے اس خطرے سے بچنے کے لیے اربوں ٹن اسلحہ کے ذخائر محفوظ کر لیے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ انسان کسی سے خائف نہیں یہ اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے تسخیرِ کائنات چاہتا ہے جو اسلحہ کے بغیر ممکن نہیں، دنیا بھر میں جنگیں اسی تسخیرِ

کائنات کے اصل ہدف کا ہلکا پھلکا اظہار ہیں۔ اس انسان نے دنیا میں ایسی ہلاک خیز چیزیں ایجاد کی ہیں کہ پوری کائنات ان ایجادات سے مسلسل خطرے میں ہے۔"[76]

عبدالرحمٰن کیلانی ؒ لکھتے ہیں کہ تسخیرِ کائنات کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان پہلے اپنی قریبی سیارہ پر چاند پر پہنچنے کی کوشش کرے، پھر دوسرے سیاروں پر پہنچنے میں اپنی قیمتی عمر برباد کرے۔[77]

بہر حال سماوات وارض کے عجائبات کی طرف متوجہ کرنے اور انہیں غور وفکر کا امر کرنے کا مقصد قرآنی ہدایات کی روشنی میں معرفتِ خالق، معرفتِ توحید ذات وصفات اور معرفتِ توحید افعال سے نفسِ انسانی کی تکمیل اور اسے فضائل علم واخلاق سے آراستہ اور مہذب بنانا ہے۔"انکار اس سے نہیں کہ کائناتی مادوں سے انسان صنعت و حرفت کے ذریعے ضروریاتِ زندگی مہیا کرے کہ یہ خود مامور بہ ہے انکار اس سے ہے کہ ان آیاتِ تکوین کا منشاء صنعت و حرفت کی ترقی یااُن کا تجارتی کاروبار پھیلانا نہیں بلکہ ان آیات کا ماحصل تکوینی دلائل سے معرفتِ خالق ہے۔ البتہ بطور وسیلۂ عبادت ان مادی اشیاء اور تمدنی صنائع سے کلیتہً الگ کر دیا جانا بھی مقصود نہیں بلکہ بضرورت عبادت اور بضرورت نفاذِ خلافت بقدر ضرورت ان وسائل کی تحصیل بھی ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ معاش کی طرف سے مطمئن ہو کر ایک انسان معاد کی فکر کر سکے اور قانونِ الٰہی کو قوت سے دنیا میں پھیلانے اور رواج دینے میں اس کے لیے کوئی مانع یا حیلہ باقی نہ رہے۔ مسلمانوں کی مادی صنعتی، عسکری اور دوسری انواع کی قوت وشوکت یا حسبِ ضرورت دنیا کے ترقی یافتہ وسائل کے استعمال سے گریز یا انکار کرنا نہیں بلکہ انہیں آیاتِ تکوین کا مدلول کہے جانے، اُن کے معیارِ کفر واسلام ہونے، انہیں مقصدِ حیات کہہ کر اپنی ترقی کا میدان بنا لینے یا غلو وافراط اور مبالغوں سے ان میں منہمک اور فنا ہو جانے پر نکیر وانکار ہے۔[78]

اگر انسان کے مسخّرِ کائنات ہونے کے دعویٰ کو عقلی تناظر میں دیکھا جائے تو درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

1. اگر انسان مسخّرِ کائنات ہوتا تو مغربی نقطۂ نظر کے مطابق ہی کئی صدیاں پتھر کے زمانے میں (Stone age) نہ گزارتا یہ کیسے ممکن ہے کہ جنسِ انسانی کو یہ صلاحیت خلقی اور فطری طور حاصل بھی ہو اور وہ صدیاں بے خبری میں انتہائی کسمپرسی سے گزار دے۔
2. اگر مسخّرِ کائنات ہوتا تو صدیوں سے کروڑوں انسان چوپایوں، پتھروں حشرات الارض اور جانوروں کو خدا مان کر عبادت بجانہ لاتے۔ کیونکہ فطری صلاحیت کا ظہور اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان مسخّر بھی ہو اور

اپنے سے کم تر مخلوقات کی معبودیت کو مان لے اور مان بھی اس طرح لے کہ اس کی زندگی اور معاشرت کا پورا ڈھانچہ اس پر تشکیل پائے۔اس کے جواب میں کہا جائے کہ یہ اس کی بدعقلی تھی تو اربوں انسانوں کی بدعقلی ہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ مسخّر کائنات نہیں کیونکہ تسخیر کے لیے عقل کا غالب و آمر کرنا درکار ہے؟اگر یہ کہا جائے کہ مذہب نے ان کو مسحور کر دیا تھا جیسے نشہ آور اشیاء انسان کی صلاحیت ختم کر دیتی ہیں تو یہ بھی مذہب کا مسخّر ہو جانا ثابت کرتا ہے نہ کہ خود اس کی صلاحیتِ تسخیر۔

3. سائنسی دور کا آغاز سولہویں/سترھویں صدی عیسوی میں ہوا۔اگر یہ انسان کا فطری فرض تھا کہ وہ تسخیرِ کائنات کرے تو انسانوں نے کروڑوں سال کیسے اس سے فرض سے غفلت میں گزارے جب کہ اس کی فطری، طبعی، عقلی اور ذہنی ضرورت تھی؟

حاصلِ بحث یہ ہے قرآن کی آیاتِ تسخیر زور اس بات پر نہیں دیتیں کہ انسان مسخّر ہو جائے، بلکہ زور اسی پر رہتا ہے کہ اللہ ہی مسخّر ہے، جس کے نتیجے میں انسان اس کائنات سے بھرپور فائدہ اٹھا پاتا ہے اور جس کے لیے اس کو شکر گزار ہونا چاہیے بالفاظِ دیگر ان آیاتِ کائنات کا حاصل اور تقاضا صرف فکر وتدبر اور مصنوع سے صانع پر استدلال کرنا اور خالق کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

حوالہ جات وحواشی (References)

[1]فضل کریم،ڈاکٹر،قرآن کے جدید سائنسی انکشافات،فیروز سنز لمیٹڈ،لاہور،2012ء،ص:28

[2]عبدالباقی، محمد فواد،المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم،مکتبہ رحمانیہ،اردو بازار،لاھور،س-ن،ص:595،863

[3]ابن منظور،ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم(م711ھ)،لسان العرب،داراحیاء التراث العربی،بیروت،1418ھ،353/4

[4]کرمانی، محمد ریاض،ڈاکٹر،قرآن مجید اور تسخیرِ کائنات، تحقیقاتِ اسلامی،"سہ ماہی"،ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ(انڈیا)، مارچ2005ء، جلد24، شمارہ1، ص:4

[5]ابن منظور، لسان العرب،353/4

[6]رازی، فخر الدین، علامہ(م604ھ)،التفسیر الکبیر ومفاتیح الغیب،دار الفکر،بیروت،ط:سوم،1985ء،247/23

[7]مودودی،ابوالاعلیٰ،سید(م1979ء)، تفہیم القرآن،ادارۂ ترجمان القرآن،فروری2012ء،488/2

[8]البقرۃ،164:2

[9]الاعراف،54:7

[10]الرعد،2:13

[11]ابراھیم،32:14

[12]ایضاً،33

[13]النحل،12:16

[14]ایضاً،14

[15]ایضاً،79

[16]الانبیاء،79:21

[17]الحج،36:22

[18]ایضاً،37

[19]ایضاً،65

[20]العنکبوت،61:29

[21]لقمان،20:31

[22]ایضاً،29

[23]فاطر،13:35

[24]ص،18:38

[25]ایضاً،36

[26]الزمر،5:39

[27]الزخرف،13:43

[28]ایضاً،32

[29]الجاثیۃ،12:45

[30] ایضاً،13

[31] الحاقۃ،7:69

[32] محمد ریاض کرمانی، قرآن مجید اور تسخیر کائنات، تحقیقاتِ اسلامی، "سہ ماہی"، ص:41

[33] الاعراف،54:7

[34] مودودی، تفہیم القرآن،37/2

[35] النحل،79:16

[36] محمد کرم شاہ، پیر، ضیاءالقرآن، ضیاءالقرآن پبلیکشنز، لاہور، 1995ء،590/2

[37] الرعد،2:13

[38] فاطر،13:35

[39] ابراھیم،32:14

[40] پیر کرم شاہ، ضیاءالقرآن،518/2

[41] محمد شفیع، مفتی(م1976ء)، معارف القرآن، ادارۃالمعارف کراچی، ستمبر2016ء،254/5

[42] الحج،36:22

[43] مودودی، تفہیم القرآن،227/3،228

[44] الزخرف،13:43

[45] لقمان،20:31

[46] کاندھلوی، محمد ادریس، تفسیر معارف القرآن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، 1418ھ، 6/ 190؛ دریاآبادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، اردو بازار، لاہور، س-ن، ص:847

[47] الحاقۃ،7:69

[48] اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2009ء،43/8

[49] الجاثیۃ،13:45

[50] الاسراء،70:17

[51]البقرۃ،31:2

[52]بشیر محمود، سلطان، قرآن پاک ایک چیلنج—ایک سائنسی معجزہ، القرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن، اسلام آباد، مئی 2010ء، ص: 75،74

[53]المشرقی، عنایت اللہ، علامہ (م 1963ء)، حدیث القرآن، علامہ مشرقی پبلی کیشنز، اچھرہ لاہور، جون 2002ء، ص: 133

[54]ندوی، شہاب الدین، اسلام اور جدید سائنس، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، 1993ء، ص: 25-28

[55]منیر نظامی، قرآنی اشارات برائے تسخیرِ کائنات، الحمراء ہسٹری کارنر جھنگ، س-ن، ص: 94

[56]مفتی شفیع، معارف القرآن، 254/5

[57]محمد طیب، قاری، ایک قرآن، انشاء پریس، لاہور، س-ن، ص: 61-63

[58]النحل، 14:16

[59]الجاثیۃ، 12:45

[60]کیلانی، عبدالرحمٰن (م 1995ء)، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور، ط: چہارم، اکتوبر 2004ء، 4/ 192؛ عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، ص: 996

[61]ابراهیم، 14:32،33

[62]شبیر عثمانی، مولانا (م 1949ء)، تفسیر عثمانی، دارالاشاعت کراچی، فروری 2007ء، 277/2

[63]محمد طیب، ایک قرآن، ص: 68-72

[64]Mehdi Golshani, The Holy Quran and Science of Nature, Islamic Propagation Organization, Tehran, 1986, p:24

[65]C. A. Qadir, Philosophy and Science in the Islamic World, London, Routledge, 1988, p:15

[66]Ibid, p: 22

[67]ندوی، شہاب الدین، اسلام کی نشاۃ ثانیہ—قرآن کی نظر میں، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، 1983ء، ص: 134،135؛ اسلام اور جدید سائنس، ص: 27-30

[68]برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر (م1985ء)، دو قرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س-ن، ص:13، 14

[69]محمد طیب، ایک قرآن، ص:78-80

[70]ایضاً، ص:120، 121

[71] Karl Marx: A Reader, Jon Elster [editor], Cambridge University Press, UK, 1986, p:23

[72]Fritjof Capra, Uncommon Wisdom, Conversation with Remarkable People, Fontana, London, 1989, p:213

[73]کرمانی، محمد ریاض، قرآن مجید اور تسخیرِ کائنات، تحقیقاتِ اسلامی، "سہ ماہی"، ص:51، 52

[74]Maryam Jameelah, Modern Technology and the Dehumanization of Man, Crescent Publishing Company, Delhi (India), N.D, p: 7

[75]سر سید احمد خان (م1898ء)، مقالاتِ سر سید، (مرتب: شیخ اسماعیل پانی پتی)، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، 1962ء، 153/5

[76]ظفر اقبال، اسلام اور جدیدیت کی کشمکش، ادارہ علم ودانش، نومبر 2014ء، ص:63

[77]کیلانی، تیسیر القرآن، 535/3

[78]محمد طیب، ایک قرآن، ص:68-77، 147، 148